یعنی تمییز الطیب۔ کو سخاوی کی المقاصد الحسنہ کہیئے۔ اسی طرح جب المقاصد کے منبع کی دریافت کیجیے تو چند مراحل کے بعد آپ قاضی ابو محمد رامہرمزی (۳۶۰ھ / ۹۷۰ء) کی فن اصول حدیث میں نقش اول یعنی کتاب "المحدث الفاصل" تک پہنچ جائیے گا۔

استطرادی فائدہ | راقم السطور کا اس حرف کے معرض ذکر میں لانے سے منشا یہ ہے کہ جن نکتہ بینیوں نے امیر الملک کو قدمین (متقدمین نہیں) کی تالیفات کے تجرید و تلخیص اپنے نام سے شائع کرنے پر متہم فرمایا ہے۔ وہ شیخ الدیبع پر کیا فتوے صادر کریں گے اس معاملہ میں ذرا اور شرح حال کی اجازت دیجیے۔ ؎

گر از ین منزل غربت بسوئے خانہ روم
نذر کردم کہ ہم از رہ بہ مے خانہ روم

المقاصد الحسنہ کی دو اور تجریدات بھی ہیں۔

(الف) ..... از تقی الدین الفتوحی حنبلی نام تجرید ----- ؟

(ب) الدرر اللامعہ از شہاب الدین احمد بن عبد السلام م ۹۳۱ھ / ۱۵۲۴ء

ان ہر دو مولفین کے متعلق کیا ارشاد ہے اور ابن الدیبع نے تو اپنے ماخذ کے نام کی تفسیر معنوی بھی نظر انداز نہیں کی۔ دونوں کے نام ملاحظہ فرمائیے۔

سخاوی کا نام "المقاصد الحسنۃ فی کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ"

ابن الدیبع کا نام "تمییز الطیب من الخبیث فی ما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث"

لہ المقاصد الحسنہ کا ماخذ (منبع) المحدث الفاصل ہے۔ اس کا ذکر نہ کشف الظنون میں ہے نہ اتحاف النبلاء میں، معلوم نہیں ملک صاحب کے اس انکشاف کا منبع کیا ہے۔ (رحیق)

ٹہ ان مثالوں میں مناسب ہو تو اس کا بھی اضافہ کر لیجیے جو حافظ ابن الجوزی جیسے کثیر التصانیف امام کے متعلق منقول ہے: وکان تصنیفہ فی فنون من العلوم بمنزلۃ الاختصار من کتب فی تلک العلوم الخ (ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب: صفحہ ۴۱۴ جلد ۱) حافظ ابن الجوزی کی وفات ۵۹۷ھ کی ہے۔

سٰہ اتحاف ص ۱۵۹ وکشف الظنون ص ۴۹۲ جلد ۲۔

اور ابن الدبیع ہی کی (حدیث ہیں) تیسیر الوصول الی جامع الاصول ہے جو ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں کلکتہ اور دوسری مرتبہ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ امیر الملک کے خزانۃ الکتب میں بھی اس کا اول الذکر نسخہ موجود تھا۔ مگر راقم نے مطبوعہ ہونے کی وجہ سے اس کا شمار فی الباب نہیں کیا۔ یہ کتاب کس قدر اہم ہے اسی برس میں (از ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء تا ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء) دو مرتبہ شائع ہوئی۔ اطراف ملک میں پھیلی اہل ذوق نے تقریظیں لکھیں۔ اصحاب سیر نے اپنے مدونات کو اس کے تذکرے سے مزین کیا۔ اور یہ تلخیص ہے حافظ جزری ابن الاثیر (۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء) کی کتاب "جامع الاصول لاحادیث الرسول" کی جو جملہ صحاح ستہ کی ایک نئی ترتیب تھی۔ اس کو نئی شان میں ممزوج کر دیا اور ابن الاثیرؒ کو یہ خیال رزین بن معاویہ ۵۳۵ھ (۱۱۴۰ء) کی کتاب دیکھ کر پیدا ہوا۔ جیسا کہ مقدمہ جامع الاصول میں ثبت ہے ـــــ

رأیت کتاب رزین وہو اکبرہا واعمہا حیث حوی ہذہ الکتب الستۃ التی ہی ام کتب الحدیث واشہرہا فاحببت ان اشتغل بہذا الکتاب الجامع فلما تتبعتہ وجدتہ قد اودع احادیث فی ابواب غیر تلک الابواب التی ہی اولی بہا وکرر فیہ احادیث کثیرۃ وترک اکثر منہا فجمعت بین کتابہ وبین ما لم یذکرہ من اصول الستۃ[1]

یعنی رزین نے صحاح ستہ کی تجرید تو کی ہے مگر ان سے بعض احادیث نظر انداز ہو گئیں۔ اور بعض مکرر بیاض میں آ گئیں۔ اب صرف اس کی تنقیح کے لیے ابن اثیر کو یہ زحمت اٹھانا پڑی۔ مگر تخفیفِ تصدیعہ کے لئے صرف حمیدی کی الجمع بین الصحیحین سامنے رکھ لی ـــــ قال ابن الاثیر فی جامع الاصول واعتمدت فی النقل من الصحیحین علی جمع للحمیدی فی کتابہ فانہ احسن فی ذکر طرقہ واستقصی

---

[1] اتحاف النبلاء المتقین ص۲۶۔ جامع الاصول ۹ جلدوں میں کامل سلطان سعود کی توجہ گرامی اور شیخ حامد الفقی کی تحقیق سے شائع ہو گئی ہے اس سے قبل [illegible]ھ اس کا ایک ابتدائی حصہ بھی اس کی شرح جامع المعقول والمنقول کے ساتھ طبع ہوا تھا۔ جو اس وقت میرے سامنے ہے اس کا صفحہ ۲۲ دیکھنا چاہیے۔ (رحیق)

فی ایراد رواتہ والیہ المنتہی فی جمع ھذین الکتابین[1] ـــــ یعنی تنقیح تو صرف رزین کی کتاب کی مدِ نظر تھی۔ مگر اس میں صحیحین کی احادیث پر از سرِ نو مقابلہ اور تصحیح سے بچنے کے لیئے حمیدی کا دامن پکڑ لیا۔ اور یہ جامع الاصول فی حدیث الرسول جیسی جامع صحاح ستہ بعنوان دگر مرتب ہو گئی۔ یعنی اصل کتب ستہ کو سامنے نہیں رکھا بلکہ ان کا پہلے کا ایک مجموعہ معمول بہ بنا لیا[2]

باوجودیکہ جامع الاصول کی اساس رزین کی تجرید صحاح ستہ تھی مگر ابن اثیرؒ سے بعد میں آنے والوں کے لیئے جامع الاصول ہی اساس بن گئی اور اس بنیاد پر مختلف شکلوں میں مدونات مرتب ہونے لگے۔

(۱) ازانجملہ اس کی ایک مختصر ابو جعفر محمد المروزی الاسترآبادی نے لکھی۔

(۲) دوسری تلخیص شرف الدین ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم البازری الشافعی (د ۷۳۸ھ / ۱۳۳۷ء) نے کی۔

(۳) تیسری تجرید ابن کیکلائی (العلائی الدمشقی المقدسی) صلاح الدین خلیل (م ۷۶۱ھ / ۱۳۵۹ء) نے کی۔

(۴) چوتھی شکل شیخ احمد بن رزق اللہ الانصاری الحنفی کے ہاتھوں مرتب ہوئی۔

(۵) شیخ مجدالدین صاحب القاموس (م ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء) نے جامع الاصول پر چند زوائد لکھے اور نام تسہیل طریق الوصول الی الاحادیث الزائدۃ علی جامع الاصول کہا۔

(۶) تیسیر الوصول ـــــ انہی شیخ ابن الدیبع کی کتاب ہے[3]

بالآخران ستہ مکررہ میں سے ہر ایک اصحاب حدیث اور جامعین آثار کی صف میں جلوہ آرا ہے۔ اور دستورِ تالیف بھی یہی ہے۔

جامع الاصول فی احادیث الرسول کے ایک اور تکملے پر نظر دوڑایئے، یہ کتاب "جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد" ہے جس کی وجہ تسمیہ ہی یہ غمازی کر رہی ہے کہ اس کا مبنیٰ دو کتابیں ہیں۔ جن میں سے ایک تو

[1] اتحاف النبلاء والمتقین ص ۲۶ ومقدمہ جامع الاصول ص ۲۵ طبع مصر ۱۳۷۰ھ [2] یہ نتیجہ پیش کردہ عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا (رحیق) [3] اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۷۔

یہی جامع الاصول ہے[1]، مقدمہ جمع الفوائد کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"اما بعد فہذا جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد الاول للامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری صلی جمع فیہ مافی تجرید رزین بن معاویۃ الاصول الستۃ بابدال ابن ماجۃ بالموطا وما نقصہ رزین منہا"[2]

اور تفصیلات جمع الفوائد کے لوح سارکی طرف سے سرعنوان یہ الفاظ پڑھ کر معلوم کر لیجئے اور کم وبیش کا اندازہ کر لیجئے گا۔

"ھذا الکتاب الذی جمع فیہ الامام محمد بن محمد بن سلیمان (م ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء) احادیث اربعۃ عشر کتبًا اعنی الصحیحین للبخاری[1] ومسلم[2] والسنن الترمذی[3] والنسائی[4] وابی داؤد[5] وابن ماجۃ[6] والموطا[7] للامام مالک و المسند[8] الامام احمد والمسند[9] لابی یعلی الموصلی والمسند[10] الدارمی والمسند[11] لابی بکر البزار والمعاجم[12، 13، 14] الثلاثۃ للطبرانی والاوسط والصغیر[3]"

ان الفاظ سے مترشح ہے کہ جامع جمع الفوائد نے ازسرنو مذکورہ چہاردہ اساطین احادیث سامنے رکھے۔ اور اپنی کتاب مرتب کی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ صاحب جامع الاصول نے صحاح ستہ کی تمام احادیث تجریدًا جمع کر رکھی تھیں۔ انہوں نے باقی آٹھ کتابیں سامنے رکھ کر ایک ایک حدیث کو ان پر عرض کیا اور صحاح ستہ میں جو آثار نہ تھے وہ اگر ان میں سے کسی میں نظر آئے تو شامل کتاب کر لیئے گئے۔ معلوم نہیں مولانا عاشق علی میرٹھی کے قلم سے

---

[1] اور دوسری مجمع الزوائد، از شیخ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ درد ی زوائد کتب ستہ از مسند احمد و بزار و ابی یعلی و معاجم ثلثہ طبرانی جمع نمودہ با جرح تعدیل و صحت وسقم احادیث الخ (اتحاف ص ۱۴۳) (رحیق) [2] جمع الفوائد مطبوعہ میرٹھ از مقدمہ جامع الکتاب [3] مقدمہ جمع الفوائد طبع میرٹھ مگر افسوس ہے جمع الفوائد میں مجمع الزوائد کی طرح تنقیح وتنقید سے کام نہیں لیا گیا جس کی وجہ سے اہل نظر کے ہاں اسے استفادی وقعت نہیں حاصل ہو سکتی (رحیق)

مقدمہ (الفوائد) میں ایسی تخلیط کیوں ہوگئی [1]

اور اگر حمیدی (صاحب کتاب الجمع بین الصحیحین) کی ہمت پر توجہ فرمایئے تو ان کی تگ و دو بھی اسی حد تک نظر آئے گی کہ

"وے ترتیب احادیث برحسب فضل صحابی راوی حدیث کردہ مثلاً احادیث ابوبکر صدیقؓ را مقدم کردہ بعدہ عمرؓ را تا تمام عشرہ بشرہ" [2]

یعنی صحاح ستہ کو مسند صحابہ پر مرتب کر لیا اور بس [3]

البتہ حافظ حمیدی نے بعض مقامات پر تعلیقاً یا تکمیلاً کچھ اضافات کئے تو ان پر ناقدین جہزۃ الفن نے بھی تعاقب فرمایا۔ چنانچہ

"عراقی در الفیہ گوید ان الحمیدی زاد فی جمعہ الفاظاً و تتمات لیست فی واحد منہما من غیر تمییز و ھذا مما انکر علیہ لانہ جمع بین کتابین فمن این تاتی الزیادۃ" [4]

اور یہ بحث بجائے خود اپنے اندر بے شمار اسرار و غوامض رکھتا ہے۔ جس کے لئے دوسرا موقع زیادہ مناسب ہوگا۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

الغرض حمیدی نے صحیحین کو ملا کر اپنی کتاب "مسانید" کے نہج پر مدون کر دی۔ جو ان کا ابداع نہ تھا بلکہ ان کے گرد و پیش بہ عنوان (مسند) مختلف طریقوں میں گھوم رہا تھا۔ جن میں سے مثلاً امام احمد بن حنبل کا راستہ اختیار کر کے ہر ایک صحابی کی مرویات کو یکجا کر دیا۔ یہ ہے جامع الاصول لاحادیث الرسول کا جوہر! اور جوہر الجواہر یعنی الجمع بین الصحیحین و

---

[1] مجمع الزوائد بھی تو کتاب کے "موضوع" میں داخل ہے (عبد رحیق) [2] اتحاف ص۶۵ [3] بقاعی در حاشیہ الفیہ گفتہ قال الحمیدی ربما زدت زیادات من تتمات وشرح لبعض الفاظ الحدیث وقفت علیہا فی کتب من اعتنی بالصحیح کالاسماعیلی والبرقانی قال بان یسوق الحدیث ثم میز ثم یقول الی ھنا انتہت روایۃ البخاری مثلاً ومن ھنا زادہ البرقانی وھذا واضح ثم میز باخفی منہ فانہ ربما یسوق الحدیث کاملاً اصلاً وزیادۃ ثم یقول لفظۃ کذا زادہ فلان ونحو ذلک فقد حصل التمیز اجمالاً وتفصیلاً (اتحاف ص۶۵ وکشف ص۳۵۹ جلد اول [4] اتحاف النبلاء ص۶۵۔

تجرید رزین دونوں کا جو ہر صحیحین اور سنن اربعہ ہیں۔ جن کی صرف ترتیب کا نہج ہر درجہ پر بدل گیا ہے۔ مگر جس طرح ابن اثیر جزریؒ جامع الاصول لاحادیث الرسول کے جمیع الصفات نام کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اسی طرح حمیدیؒ الجمع بین الصحیحین کے پرشکوہ نام سے معروف اور رزین کی کوشش سے بھی اہل نظر ناآشنا نہیں۔

ایک اور مثال | شیخ علی المتقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) مشہور اور زہد و تقوے میں معروف ہیں۔ ناقلین آثار حدیث میں آپ کی گوہر تابناک تالیف کنز العمال کی جود و عطا سے تمام عالم اسلام متمتع ہے، طرز عنوان نرالا، ترتیب انوکھی اور تکثیر آثار کے اعتبار سے کنز من کنوز الاعمال والامثال ہے

نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

کنز العمال کے ہر ایک باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال کی تقسیم جدا جدا ہے۔ اور ترتیب فقہی۔ لیکن الشیخ المتقی نے یہ خزائن کہاں سے حاصل کئے۔ ان کا ظہور تو دسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ سن وفات شیخ م ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء ہے۔ احادیث و آثار کے منتشر اجزا ان کے ظہور سے صدیوں پیشتر معاجم، مسانید، سنن اور جوامع میں مدون ہو چکے تھے جس سے اب ایک ایک روایت کے حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کے حال کی گنجائش و ضرورت نہ تھی۔ مزید برآں ان کی خوش نصیبی تھی جو انہیں اپنے ہی قرن (دعائشہ کے مؤلف علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) کی ایک تدوینہ بعنوان جمع الجوامع دستیاب ہو گئی۔ جس نے بہ تغییر اسلوب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کی شکل اختیار کر لی، اس کا تذکرہ سنئے!

"...... شیخ علامہ علاؤ الدین علی بن حسام الدین الہندی الشہیر بالمتقی این کتاب را مرتب کردہ و کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال نام نہادہ۔"

"و ذکر کردہ کہ بر مدونات بسیار در کتب حدیث از تالیف آئمہ واقف شدم۔ لیکن ہیچ کتابے ندیدم اکثر الجمع ازیں کتاب ندیدم زیرا کہ جامع اصول و جز

آنست...... پس اول جامع صغیر را نو آید آنرا مبوب نمودہ و منہج العمال فی سنن الاقوال نام کردہ بعد قسم اول را مبوب نمودہ " غایۃ الاعمال فی سنن الاقوال" نام نہادم"

"پس قسم دوم افعال را مبوب ساختہ بمستدرک الاقوال مسمی ساختم، بعدہ ہمہ را یک ترتیب براسلوب جامع الاصول مرتب کردہ و مجموع را کنز العمال نامیدہ شد"

بعدہ انتخاب و تلخیص آں کرد پس کتابے در چہار مجلد آمد"[1]

ماخذ مذکور میں جامع صغیر کا مشارٌ الیہ سیوطی ہی کی ایک اور تالیف الجامع الصغیر ہے کہ بحذف اسناد صرف الفاظ حدیث بہ ترتیب ہجا مع استخراج ماخذ پر مدون ہے اور یہ (الجامع الصغیر) بھی سیوطی کی جمع الجوامع ہی کا دوسرا حصہ ہے الفاظ مقدمہ یہ ہیں" —— و سمیته الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر لانه مقتضب من الکتاب الکبیر الذی سمیته جمع الجوامع وقصدت فیه جمع الاحادیث النبویة...[2]

یہ ہے "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" جیسی ضخیم اور اہم بالشان کتاب کا قصہ اور مولف شیخ علی المتقی صدر نشین بزم مولفین حدیث ہیں لیکن حال یہ ہے کہ ان کی کاوش خود سیوطی کی سعی کی رہین منت ہے۔ اس طرح اگر جناب سیوطی کی تگ و دو کا پتہ لگایا جائے۔ تو کچھ عجب نہیں کہ ان کی آخری منزل بھی تجرید زرین تک ثابت ہو۔

ایک اور مثال | یہ سبل السلام شرح بلوغ المرام مؤلفہ امیر یمانی ہے "البدر التمام" قاضی حسین المغربی دم ۱۱۱۶ھ ۱۷۵۲ء کی تلخیص اگر خود (البدر التمام) بھی اس داغ سے نہیں بچی۔ مؤلف (حسین المغربی) کے تذکرہ میں منقول ہے۔

"وهو مصنف شرح بلوغ المرام وهو شرح حافل نقل فيه ما فی التلخیص من الکلام علی متون الاحادیث واسانیدها ثم اذا کان الحدیث فی البخاری نقل شرحه من فتح الباری واذا کان فی

[1] اتحاف النبلاء (کتاب) جمع الجوامع امام سیوطیؒ کے ذیل میں صدؔ[2] الجامع الصغیر صہ۲ طبع مصر

صحیح مسلم فقد شرحه من شرح النووی وتارة ینقل من شرح السنن لابن رسلان ولکنه لا ینسب هذه النقول الی اهلها غالباً مع کونه یسوقها باللفظ ...... [1]

اور اس سے مفر کسے ہے! ابھی ابھی ہمارے ہی ملک میں بعض الصحاح الستہ کے جو عربی شروح جلوہ بار ہوتے ہیں ان کا تجزیہ فرمایئے تو ان میں سے ایک بھی "بدر تمام" کی طرح "داغ" سے پاک نظر نہ آئے گا، مگر افسوس ہماری جرحین ایسے اصحاب پر محفوظ اور صرف صدیق حسن خاں کے لئے ملفوظ ہیں ؎

مدت ہوئی کہ آسماں برسر اختلاف ہے،
ایک مجھی پہ ہے عتاب سب کی خطا معاف ہے

فتح البیان للنواب ان ہندوستانی شارحین صحیح مسلم و سنن ابوداؤد و موطا میں آپ کو "البدر التمام" کی طرح ماخذ اور "تفصیل" ما "پر عموماً اشارہ تک نہ ملے گا۔ مگر نواب صدیق حسن خان کی "فتح البیان" (عربی تفسیر) کے معاملہ میں عیب چینی حد سے گزر چکی ہے! حالانکہ اس تفسیر کے متعلق (خود) فرماتے ہیں — "فتح البیان" یہ اٹھارہ تفاسیر سے ملخص ہے۔ اگرچہ مقدار کثیر تفسیر شوکانی سے ماخوذ ہے۔ اس میں بھی اختصار طریقۂ سلف پر اظہار کیا گیا ہے"۔ [2]

اس پر ایک مہربان نے فرمایا "بہتر یہ تھا کہ نواب صاحب تفسیر شوکانی ہی شائع کر دیتے۔ فرمایئے اس کا کیا جواب دیا جائے؟

اور تاج مکلل صفحہ ۳۰۷ میں فرماتے ہیں:

"ایں تفسیر را جامع ایں اوراق اولاً اختصار کرد بیشتر بر آں از دیگر تفاسیر معتبرہ چیزہا افزودہ تا آنکہ کتابے مستقل گردد و مسمی شد بفتح البیان فی مقاصد القرآن"۔

---

[1] البدر الطالع صفحہ ۲۳ جلد ۱۔ و التاج صفحہ ۲۳۸ [2] نصب الذریعة الی تعدید علوم الشریعة (اردو) مؤلفہ امیر الملک صفحہ ۱۱

اسی طرح امام شوکانی کی تالیف "ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول" کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

"و ایں کتاب را مختصر لپیٹ از کاتب حروف "حصول المامول" نام کہ اوّلاً در ہند و ثانیاً در قسطنطنیہ طبع شد"[1]

اسی طرح امام شوکانی کی مؤلفہ "الفتح الربانی" کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

"و ایں کتاب نزد ایں بندۂ شرمندہ موجود است و از آں در "دلیل الطالب" وجز آں انتفاع کثیر بدست آوردہ"[2] کتاب مذکور کا پورا نام "دلیل الطالب الی ارجح المطالب" ہے۔

اسی طرح "السیل الجرار" (شوکانیؒ) کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

"و آں را در فارسی باختصار بردہ و "بدور الاھلہ من ربط المسائل بالادلہ" نام کرد"[3] "السیل الجرار" شرح ہے "الازہار" کی جیسا کہ اس مقالہ میں ایک مقام پر مذکور ہوا۔

اسی طرح کتاب "دلیل الفالح" کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

"گویم "دلیل الفالح" نزد ایں مستہام موجود است۔ و ہر چند بعض فوائد او فرزندم عزیزم در "عرف الجادی من جنان ہدی الہادی" ترجمہ کرد۔ اما دل مے خواہد کہ احکام و مسائل او را مستقلاً در زبان پارسی بہ ترتیب اصل حاشیہ یک جا فراہم آوردہ شود"[4]

اسباب مطاعن | امیر الملک پر ان مطاعن کا مجری لکھنؤ ہے جہاں کے سب سے بڑے عالم کے متعلق نواب صاحب کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"گویم و ایں وادی سنت ناجیات تلامذہ ملا عبد العلی لکھنوی در دیار ہند کہ ایشاں مرا ملک العلماء و بحر العلوم یاد مے کنند و بداں شہرت شدہ، با آنکہ

۱؎ التاج المکلل صفحہ ۲۰۲ ۲؎ التاج المکلل صفحہ ۳۰۶ ۳؎ التاج صفحہ ۳۰۶ ۴؎ التاج صفحہ ۳۰۶

۵؎ التاج المکلل ۲۵۶

دستگاہ ایشاں در معقول بود و علوم شرعیہ را کم ترورزیدہ خصوصاً علم تفسیر و حدیث و آنچہ در فقہ و اصول آں نوشتہ خالی از غلط و مسامحات نیست۔ حالانکہ در عصر ایشاں و بعد ازاں در دیار دہلی و جز آں ائمہ گذشتہ اند کہ جامع بودند درمیان معقولات و منقولات و معارف و سلوک و آنہا مستحق تراند بایں القاب لاسیما خاندان ذیشان حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہ ہر فرد ایں دودمان شیخ وقت خود بود در جمیع علوم عقلیہ و نقلیہ انصاف داشت بکمالات ظاہریہ و باطنیہ ولکن مفاسد جہل و تعصب در حصر نمے گنجد[1]

بحر العلوم ملا عبدالعلی (م ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء) قطب الدین رح کے پوتے ہیں۔ جن سے مولانا عبدالحی لکھنوی کا نسب گرامی ۶ پشت سے ملتا ہے۔ (عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ بن احمد بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن قطب الدین (تذکرہ علمائے ہند فارسی)۔ امیر الملک اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے مشاجرات کی اصل بنیاد یہی تحریر تھی جسے اختلاف مسلک، رشک معاصرت اور احد الفریقین کے دنیوی عز و جاہ میں برتری نے اور مہمیز دیا ہے۔ نواب صاحب کے مؤلفات میں اتحاف النبلاء طبع ہو گئی۔ ما فی الباب اصحاب تراجم کی توفیت وفیات میں مؤلف یا ماخذ کسی ایک کی غلطی پر مولانا عبدالحی نے پوری ایک کتاب لکھ دی۔ (ابراز الغی الواقع فی شفاء العی)[2]

نواب صاحب کی طرف سے ان کے مندرجات کی توثیق اور معترض کی تردید پر مولانا محمد بشیر سہسوانی نے عبدالبصیر کے نام سے "تبصرۃ الناقد برد کید الحاسد" لکھوا دی۔ اور اس جنگ نے پوری قوت کے ساتھ دنیائے علم کو اپنے اندر لپیٹ لیا، اس زور آزمائی میں فریقین نے ایک دوسرے کے مختار مسائل پر حرف گیری کے بجائے نئے نئے طریقوں سے مقابلہ شروع کیا۔ نواب صاحب اپنی تائید میں عنوان بدل بدل کر کتابیں شائع کرتے رہے، اور مولانا لکھنوی اپنی تائید میں ——— ! مگر امیر الملک کے مولفات پر ان کے ناخوشگوار کی وجہ سے عام یلغار شروع ہو گئی۔ جس پر مختصر سی بحث اس

[1] حاشیہ اتحاف النبلاء ازامیر الملک ص۴۲۳ [2] دعوعلی مصنفات حسن الصدیق القنوجی (معجم المطبوعات العربیہ ص۱۸۹۷)

مضمون میں اوپر گذر چکی ہے۔

نواب صاحب اپنے بعض مؤلفات میں ان مشہور و مقتدر رؤسائے علم و اہل دول کے نام بھی شائع فرما دیتے جن کے پاس یہ کتابیں ہدیتہً بھیجی جائیں۔ ان میں زیادہ تر نام ہندوستان سے باہر کے ہوتے۔ اس قسم کا ایک باب نواب صاحب کی تالیف (العلم الخفاق بعلم الاشتقاق) عربی میں ملے گا۔ فریق مخالف ان ہی پتوں پر نواب صاحب کے خلاف اپنا لٹریچر اور آپ پر حرف گیری کے سلسلہ میں خطوط بھی ہمراہ کر دیتا۔ جس سے باہر کے لوگوں میں امیر الملک کے خلاف ایسا تخیل قائم ہوگیا۔ جس کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسلام کا علمی سرمایہ سکڑ کر چند تصانیف میں رہ جائے گا۔ کیونکہ بعد کے ہر ایک مؤلف نے اپنے پیشرو کے نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ تک سے اپنی تالیفات کو مزین کیا ہے۔ امیر الملک پر اس قسم کے بے حساب اعتراض وارد کئے گئے ہیں۔ بایں ہمہ ؎

خود بخود بوئے یار پھیل گئی
کوئی منت کشِ صبا نہ ہوا

اور صدیق الحسن کا چرچا اقصائے عالم میں پھیل ہی گیا! ولو!!!

لیکن ــــــ!

"تذکرہ تھا ابن الدیبع کا جن کی بقیہ تالیفات یہ ہیں (مگر یہ کتابیں امیر الملک کے خزانۃ الکتب میں نہ تھیں۔ اس لئے خارجاً عن الباب یہ حکایت کی جاتی ہے)

(۱) بغیۃ المستفید فی اخبار مدینۃ زبید ... (صفحات ..۳ مطبوعہ مصر در ۱۳۴۴ھ) ۱۹۲۵ء

(۲) الدرر الثمین فی ایام الامام محمد بن عایض ... مخطوطہ در دار الکتب مصریہ بالقاہرہ

(۳) الفضل المزید (بغیۃ المستفید مذکور کی ذیل ہے) " " " "

(۴) قرۃ العیون فی اخبار الیمن المیمون " " مکتبۃ البلدیۃ باسکندریۃ

"فہو مجلد واحد حسن الخط (۲۴۳) صفحہ کبیرۃ المعجم فی کل صفحۃ (۲۳) سطراً طول (۲۴)

مستہل اوائل الکتاب "الحمد للہ الذی خص قطر الیمن المیمون بالایمان دون سائر الاقطار فالایمان یمان والفقہ یمان والحکمۃ یمانیۃ لشہادۃ المصطفیٰ المختار"

یہ کتاب ابوالحسن خزرجی کی کتاب "العسجد المسبوک فی من ولی الیمن من الملوک" کی تلخیص ہے۔

خمستان

(اثر صہبائی کا ایک مجموعہ کلام)

(از جناب ابو علی الاثری صاحب کالج اسٹور۔ اعظم گڑھ)

میں ایک روز تفریحی مطالعہ کے لئے اردو دواوین کا جائزہ لے رہا تھا کہ اثر صہبائی کا دیوان خمستان ہاتھ آگیا۔ میں نے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو بہت پسند آیا۔ شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بھی شامل ہے۔ میں نے اس کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت کا ہمارا یہ نوجوان شاعر جواب عالم کہولت سے بھی آگے ہوگا اہلحدیث ہے تو اور زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی۔ ذیل کی چند سطریں میرے اسی مطالعہ، دلچسپی اور تاثر کا نتیجہ ہیں۔

معلوم نہیں ان دو باتوں نے کیونکر شہرت پائی، اور ان کو مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی تعجب کے ساتھ لکھا ہے، کہ شیعہ حافظ قرآن اور اہل حدیث شاعر نہیں ہوتے۔ لیکن اتنا تو کسی قدر صحیح ہے کہ اہل حدیث طبقہ میں حکیم مومن خاں کے سوا کوئی دوسرا مشہور اردو کا شاعر نہیں ہوا۔ حکیم مومن خاں نے اپنی اہل حدیثیت اور غیر مقلدیت کو نہیں چھپایا اور صاف صاف کہا۔

ارباب حدیث کا فرماں بر ہوں — تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایت آئمہ نہ قیاس — یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

خالص ہوں محمدی میرا دین اسلام — گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہری تو بنوں گا شیعہ — کس واسطے چھوڑ دیجیے افضل امام

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں — مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

سید صاحب نے لکھا ہے کہ اہل حدیثوں کے شاعر نہ ہونے کو مولانا ثناء اللہ صاحب نے بھی خوب مشہور کیا ہے۔ یہ تو ہم نے بھی اپنے کانوں سے سنا ہے کہ ان کی تقریر میں کوئی شعر کا مصرع آجاتا تھا تو صحیح نہیں پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ خود شعر کہنا تو بڑی بات ہے

یں دوسرے کا شعر بھی موزوں اور صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ اور اس کے متعلق ہیں سید صاحب کی یہ توجیہ بہت پسند آئی کہ ماعلمناہ الشعر، ینبغی لہ۔ شعر صحیح پڑھنا بھی سنت سیئہ کی تقلید ہے۔ ہم نے خود آج تک کسی مشہور اہل حدیث شاعر[1] کا نام نہیں سنا ہے۔

مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوریؒ کے گھرانہ میں شعر و شاعری کا بھی چرچا تھا۔ اور ان کے دونوں لائق بھانجے مولانا عبدالرحمان، مولانا عبدالمنان شاعر تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے علی الترتیب بقا اور وفا ان کے تخلص تھے۔ اور شمشاد لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جو مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں فارسی کے استاد تھے۔ اور جن کا لکھنؤ اسکول میں ایک خاص درجہ ہے۔ اور تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کے مالک ہیں۔ لیکن ان بزرگوں نے اردو شاعری میں کوئی شہرت حاصل نہیں کی۔ اور نہ شعر و سخن میں ان کا کوئی مرتبہ متعین ہوا۔ یہی حال قریب قریب مولانا یوسف شمس فیض آبادی کا بھی ہے۔ جو زیادہ تر مسدس لکھتے تھے۔ اور اہلحدیث کانفرنس کے اجلاسوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن ان کی شہرت بھی اس دائرہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ہمارا خیال ہے کہ دینی ذوق اور شاعری اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ دینی ذوق بڑھے گا تو شاعری ختم ہو جائے گی۔ اور شاعری ترقی کرے گی تو دینی ذوق باقی نہیں رہے گا۔ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ساتھ ان کا تخلص میراں کے نام کا جزو لاینفک تھا۔ لیکن ہماری نظر سے آج تک ان کا کلام نہیں گذرا۔ مولانا مسعود قمر بنارسی اپنے نام کے بجائے اپنے تخلص ہی سے مشہور ہیں۔ ان کے مضامین کے پڑھنے کا اتفاق تو ضرور ہوا۔ لیکن ان کا کوئی شعر اب تک سننے میں نہیں آیا۔ مولانا ابوالکلام کا تخلص آزاد بھی ان کے نام کا جزو لاینفک ہے اور وہ اپنے نام اور تخلص دونوں کے ساتھ مشہور ہیں۔ بلکہ ان کے نام کے ساتھ تخلص آزاد نے بھی اتنی شہرت پائی کہ کسی اور کا آزاد تخلص رکھنا مشکل ہو گیا۔ بلکہ ان کی شخصیت اور ذات کے ساتھ ایسا مختص ہو گیا کہ آزاد کا لفظ زبان پر آتے ہی ذہن بے اختیار ان کی شخصیت کی طرف منتقل

[1] شاعری میں شہرت نہ سہی لیکن قاضی طلا محمد پشاوری، نواب صدیق حسن خاںؒ، مولانا عبدالکریم مصنف دیوان گلشن ہدایت، مولانا عبدالعزیز صاحب مصنف نظم البیان، مولانا محمد فاخر زائر الہ آبادی وغیرہ اور ہمارے پنجابی شاعر تو متعدد ہیں۔ جو سب اچھے پائے کے ہیں (رفیق)